دیوان المظالم

اور

صدر اسلام میں اسکی ہیئت ترکیبی

پروفیسر محفوظ احمد سانگلہ ہل

علمار لغت نے لفظ دیوان کے عربی الاصل ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض علمار کاتب کے لیے فارسی لفظ "دیو" اس کی اصل قرار دیتے ہیں[۱] جس کا معنی ہے دیوانہ[۲] اس سے فارسی میں "دیوان" شیطان کو کہتے ہیں۔ کتاب کو دیوان اس لیے کہا جانے لگا کہ سرکاری ملازمین شیاطین کی طرح فوراً متعلقہ کتاب کے امور کو سمجھ کر اس سے جامع اصول و نتائج اخذ کرتے ہیں[۳]

ابو عبید کے نزدیک دیوان فارسی سے معرب ہے[۴] صولی (م ۳۳۶ ھ) نے بھی دیوان کو فارسی الاصل قرار دیا ہے[۵] جوہری (م ۴۰۰ ھ) نے بھی اپنے ایک قول میں دیوان کو فارسی

---

[۱] اے۔ اے دوری "دیوان" دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۸۰ء، جلد ۹، ص ۶۸۶

[۲] فارسی میں کاتب کو دیوانہ کہنے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ایک بار کسری نوشیرواں نے اپنے منشیوں کو دیکھا جو سر جوڑ کر کسی حساب میں مصروف تھے نوشیرواں نے ان کے متعلق کہا "دیوانہ" یہ مجنون ہیں پھر کثرت استعمال سے "ہ" حذف کر دی گئی۔ (ابن خلدون، مقدمہ، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت، (ت۔ن)، ص ۲۴۳۔

[۳] ایضاً۔ [۴] ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۳۰۰ھ ج ۱۳۔

[۵] ابوبکر صولی، ادب الکتاب، المطبعۃ السلفیہ، قاہرہ، ۱۳۴۱ھ، ص ۱۸۷۔

سے معرب[1] بتایا ہے جب کہ دوسرے قول میں دوّان کو دیوان کی اصل قرار دیا ہے جو کہ اصل میں "دووان" تھا اور بعد میں واوین میں سے ایک واؤ کو یا سے تبدیل کر دیا گیا[2]

عربی میں دیوان کا لفظ ان معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(i) ھوالدفتر الذی یکتب فیہ اسماء الجیش[3]

(ii) مجتمع الصحف یکتب فیہ رجال الجیش ومن فرض لہم العطاء[4]

یعنی دیوان سے مراد وہ فہرست یا کتابوں کا مجموعہ ہے جس میں فوجیوں، اور لوگوں کے نام ہوتے ہیں جن کے عطیات مقرر کیے گئے ہوں۔

اگرچہ ابتدا میں دیوان صرف فوجیوں کی فہرست کے لیے استعمال ہوتا تھا مگر بعد میں اس کا اطلاق ہر قسم کے مجموعہ پر ہونے لگا۔ اس لیے اشعار کے مجموعہ کو بھی دیوان کہا جاتا ہے[5]۔ عبداللہ بن عباسؓ نے اسی بنا پر عربی شاعری کو عربوں کا دیوان (مجموعہ معلومات) قرار دیتے ہوئے کہا "انّ الشّعر دیوان العرب"[6] (بے شک شعر عربوں کا دیوان ہے)۔ ابو یعلیٰ کے نزدیک بعد میں اس مقام کو بھی دیوان کہا جانے لگا جہاں فہرستیں مرتب کرنے والے بیٹھتے تھے[7]۔ لفظ دیوان کے اس لغوی اختلاف کا ذکر قلقشندی (م ۸۲۱ ھ) نے صبح الاعشیٰ میں اس طرح کیا ہے "اختلف فی اصلہ فذھب قوم الی انہ عربی .... وذھب اٰخرون الی انہ عجمی"۔

---

[1] جوہری، تاج اللغۃ وصحاح العربیہ، المطبعۃ المصریہ، مصر، ۱۳۸۳ھ، ج ۲۔

[2] جوہری، الصحاح، ج ۲۔

[3] مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، مطبعۃ الخیریہ، مصر، ۱۳۵۶ھ، ج ۹۔

[4] محمد حسین ہیکل، الفاروق عمر، مکتبۃ النہضۃ المصریہ، قاہرہ، ۱۳۶۴ھ، ج ۲، ص ۲۳

[5] مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، ج ۹۔ صولی، ادب الکتاب، ص ۱۹۰

[6] ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۳۔

[7] ابو یعلیٰ، الاحکام السلطانیہ، مکتبۃ الحلبی، مصر، ۱۹۶۶ء، ص ۲۷۱۔

(یعنی دیوان کے ماخذ میں اختلاف ہے ایک گروہ اسے عربی الاصل قرار دیتا ہے اور دوسرا عجمی الاصل)

اصطلاحی مفہوم اصطلاح میں "دیوان" اس ادارے یا سرکاری محکمے کو کہا جاتا ہے جو کسی خاص مقصد کے لیے تشکیل دیا جائے[1]۔ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اس ادارے کو "دیوان الجند" کا نام دیا تھا جہاں مدینہ منورہ کے ان افراد کے ناموں کی فہرست تیار کی جاتی تھی جو فتوحات میں حصّہ لینے کے خواہش مند ہوتے تھے[2]۔

تاریخی پس منظر تاریخ اسلام میں دیوان کا عملی طور پر آغاز اس وقت ہوا تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "اکتبوا لی من یلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا له الفاً وخمس مأته رجل"[3]۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے ان افراد کی فہرست تیار کی جائے جنہوں نے اسلام قبول کیا تو ہم ۱۵۰۰ صحابہ کرامؓ کے ناموں پر مشتمل ایک فہرست تیار کی۔ اسی روایت کے پس منظر قلقشندی نے لکھا ہے:

> اعلم ان هذا الدیوان اوّل دیوان وضع فی الاسلام وذلك ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یکاتب امرأه واصحاب سرایاه من الصحابه .... هذه المکتوبات کلها متعلقها دیوان الانشا[4]

یعنی سب سے پہلے اسلام میں دیوان تشکیل دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر حکمرانوں اور سپہ سالار صحابہ کرام کو جو خطوط لکھواتے وہ "دیوان الانشار" سے متعلق ہوتے۔

---

[1] محمد معین، فرہنگ فارسی، تہران، ۱۳۴۲ھ، ج ۲

[2] طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۶ء، ج ۴، ص ۱۱۲۔

[3] محمد بن اسماعیل بخاری، جامع الصحیح (کتاب الجهاد، باب کتابة الامام الناس) نور محمد، کراچی، ۱۹۳۸ء، ج ۱، ص ۴۳۰۔

[4] قلقشندی، صبح الاعشیٰ، ج ۱، ص ۹۱۔

دیوان کا عملی طور پر آغاز اگرچہ عہد رسالت میں ہو چکا تھا لیکن اس کی باقاعدہ تشکیل حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ آپ کے دور میں تدوین دیوان کے یہ اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱)۔ الجیشہاری (م ۳۳۱ھ) کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں بحرین سے جو مال آتا تھا آپ اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے پھر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی پہلے سال مال کی تقسیم اسی طرح کی گئی۔ دوسرے سال جب حضرت ابوہریرہؓ ۵۰۰ ہزار درہم کا مال لے کر مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے مال تقسیم کرنے سے پہلے فرمایا:

ایھا الناس قد جاء نا مال کثیر فان شئتم کلناہ کیلا و ان شئتم ان نعد عدا فقام الیہ رجل فقال یا امیر المؤمنین قد رائت ھولاء الاعاجم یدونون دیوانا لھم قال دوّنوا الدواوین[1]

(ترجمہ: اے لوگو! ہمارے پاس بہت مال آیا ہے اگر تم چاہو ہم اس کا وزن کر دیں اور اگر تم چاہو تو اس کو گن دیں۔ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا[2] اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین میں نے عجمیوں کو دیکھا ہے کہ وہ (ان امور کے لیے) دیوان مدون کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا دیوان تشکیل دو۔
پھر آپ نے اس شخص کو ضروری معلومات کے لیے شام بھیجا[3]

(۲)۔ البلاذری (م ۲۹۲ھ) نے فتوح البلدان میں دیوان کی تشکیل کا سبب اس واقعہ کو قرار دیا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب عراق و شام فتح ہوئے تو وہاں سے جمع شدہ خراج

---

[1] محمد بن عبدوس الجیشہاری، کتاب الوزراء والکتاب، مصطفیٰ حلبی، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۱۷
عبد العزیز الدوری، النظم الاسلامیہ، مطبعہ نجیب، بغداد، ۱۹۵۰ء، ص ۱۸۷

[2] اس شخص کا نام ولید بن ہشام بن مغیرہ تھا بقول ابن ابی الحدید: (م ۶۵۶ھ) "فقال الولید بن ہشام بن المغیرہ یا امیر المومنین قد جئت الشام فرایت ملوکھا قد دوّنوا دیوانا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

آپ نے ازواج مطہرات رض اور صحابہ کرام رض میں تقسیم کیا تو اس کا ریکارڈ رکھنے کے لیے دیوان مدون کرنے کا حکم دیا۔[1]

(۳) ۔ حضرت ابو سفیان رض نے ایک بار حضرت عمر فاروق رض سے کہا کہ بنی اصفر (روم) کے دیوان جیسا دیوان مدون کرو جس پر آپ نے دیوان مدون کرنے کا حکم دیا۔[2]

بہر حال تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا باقاعدہ دیوان حضرت عمر فاروق رض کے دور میں تشکیل دیا گیا۔[3] یعقوبی (م ۲۶۰ھ) کے مطابق آپ نے ۲۰ھ میں پہلا "دیوان الجند" تشکیل دیا۔[4] بعد میں آپ ہی کے عہد میں بصرہ، کوفہ اور فسطاط جیسے اہم مقامات پر بھی "دیوان الجند" کا قیام عمل میں لایا گیا۔[5] اس کے علاوہ آپ کے دور میں دیوان الخراج، دیوان النفقات، دیوان الحبس والثبوتات کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔[6]

مظالم کی لغوی تحقیق مظالم کی واحد مظلمۃ ہے جس کا مادہ ظ ل م ہے۔ علماء لغت نے ظلم کے یہ معانی بیان کیے ہیں :

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) صولی نے ولید کی بجائے الفیرزان کا نام لکھا ہے (ادب الکتاب، ص ۱۹۰)

۳ شہاب الدین نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب دار الکتب مصریہ، قاہرہ ۱۹۲۶ء، ج ۸، ص ۱۹۶

۱ البلاذری، فتوح، ج ۳، ص ۵۶۰

۲ ایضاً، ص ۵۴۹

۳ ا ۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مقالہ دیوان مطبوعہ لیڈن ۱۹۷۹ء ج ۲ ص ۳۲۳

ب ۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا مقالہ دیوان مطبوعہ لندن ۱۹۷۳ء ج ۴ ص ۱۳۴

۴ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، دار صادر بیروت، ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۱۵۳

البلاذری، فتوح، ج ۳، ص ۵۵۰

۵ الجہشیاری، کتاب الوزراء والکتاب، ص ۲۱ ۔

۶ ابن تیمیہ، مجموعہ فتاویٰ، مرتبہ عبد الرحمن بن محمد، سعودی عرب، ۱۳۹۸ء، ج ۳۱، ص ۸۶۔

(۱)۔ وضع الشیئ فی غیر محلہ[1] یعنی کسی شے کو اس کے اصل مقام پر نہ رکھنا ظلم کہلاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "من استرعی الذئب فقد ظلم"[2] جس نے بھیڑیے سے گلے کی نگہبانی کی توقع کی اس نے ظلم کیا یعنی اس نے بھیڑیے کو صحیح مقام پر نہیں رکھا۔ گویا اصلاً اور استحقاقاً جہاں جس شے اور جس امر کو ہونا چاہیے وہاں سے اسے ہٹا دینا یا دوسری جگہ رکھ دینا ظلم ہے۔

(۲)۔ المیل عن القصد[3] یعنی درمیانی راہ سے ہٹ جانا جیسے عربی میں کہا جاتا ہے "الزم ھذا الصوب ولا تظلم منہ شیئا"[4] اس راستے کو لازم پکڑو اور اس سے ہٹنے کا ارادہ نہ کرو۔

(۳)۔ الجور ومجاوزۃ الحد[5] یعنی دوسرے کی ملکیت میں بے جا تصرف کرنا۔ اسی مفہوم کو صاحب محیط نے "التصرف فی ملک الغیر"[6] کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ زبیدی (م ۱۲۰۶ھ) نے اسی بنا پر مظلمۃ اس چیز کو کہا ہے جسے کوئی زبردستی چھین لے[7] اور تہذیب اللغۃ میں ظالم ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو دوسروں کے حقوق چھینیں یا ان کے حقوق میں رکاوٹ

---

[1] مجدالدین فیروزآبادی، القاموس المحیط، دارالمامون، مصر (ت ن) ج ۶۔
ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲۔ زبیدی، تاج العروس، ج ۸۔
جوہری، الصحاح، ج ۲۔

[2] ابن درید، جمہرۃ اللغۃ، حیدرآباد دکن، ۱۳۴۵ھ، ج ۳۔
بستانی لبنانی معجم اللغوی، المطبعۃ الامیر کانیہ، بیروت، ۱۹۳۰ء۔
سعید البنانی، اقرب الموارد، بیروت، ۱۸۹۳ء، ج ۳۔

[3] ابومنصور ازھری، تہذیب اللغۃ، دارالقیومیہ العربیہ، قاہرہ، ۱۹۶۴ء، ج ۱۲

[4] ایضاً

[5] بطرس بستانی، محیط المحیط، (م۔ت۔ن) ج ۳۔ لسان العرب، ج ۱۲

[6] بطرس بستانی، محیط المحیط، ج ۳۔ زبیدی، تاج العروس، ج ۸۔

[7] تاج العروس، ج ۸۔

کا باعث نہیں[1]

(۴)۔ انتقاص الحق[2]

یعنی کسی کے حق کو کم کرنا جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے متعلق فرمایا "فمن زاد علی هذا فقد اسأ و تعدی و ظلم"[3] (جس نے میرے بتائے ہوئے وضو میں زیادتی کی اس نے بُرا کیا، حد سے بڑھا اور ظلم کیا) یہ زیادتی ظلم اس لیے ہوگی کہ اس نے سنت کو ترک کیا اور شریعت کے مقرر کردہ آداب کو ملحوظ نہیں رکھا اور اس نے اپنے آپ کو مسنون عمل کے حق ثواب سے محروم کر دیا۔

مظالم مظلمۃ کی جمع ہے اور مظلمۃ اس شے یا حق کو کہتے ہیں جو ظالم سے طلب کیا جائے[4] اسی لیے کہا جاتا ہے: "ظلمه الحاکم تظلیمًا و اعانه علیه"[5] یعنی حاکم نے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلایا اور اس کی مدد کی۔

اصطلاحی مفہوم

ماوردی (م ۴۵۰ ھ) کے مطابق دیوان المظالم میں پیش ہونے والے مقدمات کی روشنی میں اصطلاحی تعریف یہ کی جا سکتی ہے۔

کہ مظالم سے مراد ایک انسان کا دوسرے انسان کو جسمانی تکلیف دینا، دوسرے کے مال کو غصب کرنا اور دوسروں کے حقوق کی عدم ادائیگی اور ادائیگی میں تاخیر یا رکاوٹ ڈالنا ہے۔ اس لیے دیوان المظالم میں صرف قصاص، تعزیرات، سرقہ، ڈکیتی، زنا، غصب اور سرکاری ملازمین کا عوام سے بد انتظامی کے باعث بدعنوانی کے مقدمات پیش کیے جاتے ہیں۔

---

[1] ابو منصور ازہری، تہذیب اللغۃ، ج ۱۴۔

[2] بطرس بستانی، محیط المحیط، ج ۳۔

[3] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، (ابواب الطهارت وسننها، باب ما جاء فی القصد فی الوضو) نور محمد، کراچی، (ت۔ن)، ص ۳۴۔

[4] بستانی لبنانی، معجم اللغوی۔ بطرس بستانی، محیط المحیط، ج ۳

[5] سعید لبنانی، اقرب الموارد، ج ۳۔

قرآن کا تصوّرِ ظلم

اگرچہ قرآن پاک میں "ظلم" کا لفظ ان تمام معانی میں استعمال ہوا ہے جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے لیکن انہی معانی کی روشنی میں بہت سے دیگر امور کو بھی قرآن نے ظلم قرار دیا ہے مثلاً شرک کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "ان الشرك لظلم عظیم[۱]" (بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے) اس آیت میں شرک کو ظلم عظیم اس لیے کہا گیا ہے کہ غیر اللہ جو معبود بننے کا اہل نہیں اسے معبود تسلیم کر کے اصل مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھ دیا ہے جس کا وہ مستحق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنی یا کسی کی خواہشات پر عمل کرنے کو بھی قرآن پاک ظلم قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ[۲]"

اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم آجانے کے بعد لوگوں کی خواہشات پوری کیں تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کے قوانین توڑنا اور ان سے تجاوز کرنا بھی قرآن میں ظلم قرار دیا گیا ہے سورۃ بقرہ میں ہے:

"وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[۳]"

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود توڑتے ہیں لوگ ظالم ہیں۔

اس طرح کفار سے محبت[۴]، دوسروں کی ملکیت پر ناجائز تصرف[۵]، فسق و فجور[۶]، ظلم و

۱۔ سورۃ لقمان : ۱۳

۲۔ سورۃ بقرہ : ۱۴۵

۳۔ سورۃ بقرہ : ۲۲۹

۴۔ سورۃ توبہ : ۲۳

۵۔ سورۃ بقرہ : ۲۲۹

۶۔ ابراہیم : ۵

جور[1]، قانون الٰہی کا عدم نفاذ[2]، اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی تکذیب[3]، شرک[4]، نقصان[5]، حق سے تجاوز، ذکر الٰہی سے منع کرنا[6]، دوسروں کا مذاق اڑانا، برے نام رکھنا[7] اور طعن و تشنیع کرنا[8] بھی قرآن پاک میں ظلم قرار دیا گیا ہے۔

راغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ) نے قرآنی تصور ظالم کو بیان کرتے ہوئے ظلم کی تین بڑی اقسام بیان کی ہیں۔

اوّل: وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے جیسے شرک اور معصیت الٰہی۔ شرک کے متعلق سورۃ لقمان میں ہے[9]

"ان الشرك لظلم عظيم"[10] (بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی کو بھی سورۃ بقرہ میں ظلم قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظلمين"[11]

(اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے)۔

---

[1] سورۃ ہود : ۱۱۷
[2] سورۃ مائدہ : ۴۵
[3] سورۃ صفت : ۷ ، انعام : ۲۱
[4] سورۃ لقمان : ۴۰
[5] سورۃ آل عمران : ۱۱۷
[6] سورۃ بقرہ : ۳۵
[7] سورۃ بقرہ : ۱۱۴
[8] سورۃ حجرات : ۱۱
[9] سورۃ حجرات : ۱۱
[10] سورۃ لقمان : ۳۰
[11] سورۃ بقرہ : ۳۵

دوم : وہ ظلم جو انسان ایک دوسرے کے ساتھ کرتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے :

"وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا"[1]

جو ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دیا ہے۔

سوم : وہ ظلم جو انسان اپنی ذات کے ساتھ خود کرتا ہے۔ سورۃ قصص میں ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے گا[2]

"رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی"[3]

(اے میرے رب بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے پس تو میری مغفرت کر)

خلاصہ یہ کہ قرآنی تصور میں ظلم حق تلفی کو کہتے ہیں اور حق تلفی کرنے والا ظالم کہلاتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وہ درحقیقت انہی تین بڑے بنیادی حقوق کو تلف کرتا ہے۔

حدیث کا تصور مظالم

احادیث میں بھی ظلم کا لفظ اپنے حقیقی معانی میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ مسند احمد کی روایت ہے۔

"عن عمرو بن العاص قال سمعت انسًا یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحتجم ولم یکن یظلم احدا اجرہ"[4]

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے مروی ہے کہ میں نے (حضرت) انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پچھنے لگواتے اور اس کی مزدوری کم نہ دیتے۔

ظلم بمعنی جور اس حدیث میں استعمال ہوا ہے جسے موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے:

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ظلم من الارض شبرًا فانہ

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل : ۳۳

[2] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، نور محمد، کراچی (ت ن)، ص ۳۱۶۔

[3] قصص : ۱۶

[4] احمد بن حنبل، المسند، دار صادر، بیروت (ت ن)، ج ۱، ص ۱۷۷

يطوقه من سبع ارضين [1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ناحق لے گا اسے زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسایا جائے گا۔

احادیث میں "ظلم" ان حقیقی معانی کے علاوہ دیگر متعدد معانی میں بھی استعمال ہوا ہے جن سے حدیث کے تصور مظالم کی وضاحت ہوتی ہے مثلاً ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نافرمانی کو ظلم قرار دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو وضو کر کے دکھایا۔ آپ نے وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھویا اس کے بعد فرمایا:

فمن زاد على هذا فقد اسأ و تعدى وظلم [2]

یعنی جو اس سے زیادہ کرے اس نے بُرا کیا، حد سے بڑھا اور ظلم کیا۔

الجامع الصحیح میں امام بخاریؒ (م ۲۵۶ ھ) نے "ابواب المظالم والقصاص" کے عنوان میں متعدد احادیث روایت کی ہیں جن سے بھی ظلم کے مفہوم کی وضاحت ملتی ہے مثلاً ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب مومنین آگ سے محفوظ رہنے کا حکم پائیں گے تو وہ ایک پل پر جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے روک لیے جائیں گے پھر وہ اپنے مظالم کا جو ان میں باہم دنیا میں ہوئے تھے معاوضہ لیں گے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں گے [3]

ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من كانت له مظلمة لاخيه من عرضه او شئ فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم [4]

---

[1] احمد بن حنبل، المسند، ج ۱، ص ۱۸۹۔

[2] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ص ۳۴

[3] بخاری، الجامع الصحیح، (باب قصاص یوم القیمۃ)، ج ۲، ص ۹۶۷۔

[4] بخاری، الجامع الصحیح، (ابواب المظالم۔ باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل)، ج ۱، ص ۳۳۱۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جس شخص نے اپنے بھائی کی آبرو (یا کسی چیز) کے متعلق ظلم کیا اسے چاہیے کہ وہ اس دن کے آنے سے پہلے معاف کرالے جب درہم و دینار نہ ہونگے۔

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ"[۱]

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو رسوا کرے۔

خلاصہ یہ کہ ایک دوسرے کو ناجائز تکلیف دینا، کسی کا ناجائز حق کھانا اور اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا حدیث کا تصور ظلم ہے۔

مظالم کا تصوّر علماءِ اسلام کی نظر میں

قرآن و حدیث کا تصوّر مظالم ہی علماء اسلام کا تصوّر مظالم ہے البتہ بعض علماء نے قرآن و حدیث کی روشنی میں چند دیگر امور کو بھی ظلم قرار دیا ہے یہی امور ان علماء کا تصوّر مظالم کہلاتے ہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) نے ہارون الرشید کو خراج کے متعلق جو تجاویز دی تھیں ان میں اہل خراج کی زمین کو ٹھیکے پر دینا، اہل خراج سے ان چیزوں کا مطالبہ کرنا جو ان کے ذمہ نہ ہوں، والی اگر کسی بستی میں قیام کریں تو بستی والوں سے مہمان نوازی کرانا ظلم قرار دیا ہے[۲]

الماوردی (م ۴۵۰ھ) کے نزدیک رعایا پر حکام کا ظلم و تعدی کرنا، ناجائز تشدد کرنا، تحصیلداروں کا محاصل کی وصولی میں زیادتی کرنا، سرکاری رجسٹروں میں ~~منشیوں~~ کا ردو بدل کرنا۔ سرکاری ملازمین کو تنخواہیں کم دینا یا لیٹ دینا، دوسروں کے اموال کا غصب کرنا ظلم کہلاتا ہے[۳]

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) احمد بن حنبل، المسند، ج ۲، ص ۴۳۵۔

[۱] بخاری، الجامع الصحیح، (باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ)، ج ۱، ص ۳۳۰۔

[۲] ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، مطبعۃ المیریہ، بولاق، ۱۳۹۴ھ، ص ۶۰-۶۱

[۳] ماوردی، الاحکام السلطانیہ، مکتبہ حلبی، مصر، ۱۹۶۶ء، ص ۸۰-۸۱ - ج ۴، ص ۹۳۸-

ابن خلدون (م ۸۰۲ھ) نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ظلم یہ نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے یا کسی کی زمین ناحق چھین کر اس کو اس سے بے دخل کر دیا جائے بلکہ ظلم کا مفہوم بہت وسیع ہے یعنی کسی کا دوسرے کی سلطنت و حکومت کو چھین لینا، کسی کی چیز کو غصب کرنا، کسی سے ناجائز مطالبہ کرنا، کسی ذمہ وہ ذمہ داری لگانا جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو، کسی پر ناحق ٹیکس لگانا، بے جا تشدد یا سختی برتنا، کسی کا مال لوٹنا اور کسی کی حق رسی میں رخنہ اندازی کرنا یہ تمام ظلم کی صورتیں ہیں[1]

کشاف اصطلاح الفنون میں ظلم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ظلم سے مراد حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کرنا، کسی پر زیادتی کرنا، دوسروں کی ملکیت پر ناجائز تصرف کرنا اور حد سے تجاوز کرنا ہے[2]

دیوان المظالم دیوان المظالم سے مراد وہ ادارہ ہے جو ظالم کو جبراً عدالت میں پیش کر کے مظلوم کو انصاف فراہم کرے۔ الماوردی (م ۴۵۰ھ) نے الاحکام السلطانیہ میں دیوان المظالم کی یہ تعریف کی ہے۔

"نظر المظالم هو قود المتظالمين الى التناصف بالرهبة وزجر المتنازعين عن التجاهد بالهيبة"[3]

ولایت مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں ظلم و تعدی کرنے والے ہر دو فریق کو جبراً اور دبدبے کے ساتھ انصاف کے لیے پیش کیا جائے اور فریقین کو حکومت کے دبدبے کے ذریعہ انکار اور گریز سے باز رکھا جائے۔

ابو یعلیٰ (م ۴۵۸ھ) نے بھی الاحکام السلطانیہ میں یہی تعریف نقل کی ہے[4]

نویدی (م ۷۳۳ھ) نے دیوان المظالم کو نیابۃ دار العدل (دار العدل کا نائب)

---

[1] ابن خلدون، مقدمہ (باب ۳ فصل ۴۳) ص ۲۸۸۔

[2] محمد اعلیٰ تھانوی، کشاف اصطلاح الفنون، خیاط، بیروت، ۱۹۶۶ء ج ۴، ص ۹۲۸۔

[3] ابو الحسن علی بن محمد ماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص ۶۴۔

[4] ابو یعلیٰ، الاحکام السلطانیہ، ص ۷۳۔

قرار دیا[1]

ابن خلدون (م ۸۰۲ھ) نے دیوان المظالم کے متعلق لکھا ہے:

"هی وظیفة ممتزجة من سطوة السلطنة ونصفة القضاء وتحتاج الی علو ید وعظیم رهبة تقمع الظالم من الخصمین وتزجر المتعدی"[2]

یعنی یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو ایک حیثیت سے بادشاہ کے اختیارات میں داخل ہے اور ایک حیثیت سے قاضی کی ذمہ داریوں میں شامل۔ یہ ادارہ زبردست طاقت چاہتا ہے تاکہ ظالم کو ڈانٹ کر، جھڑک کر یا سزا دے کر اس کی سرکشی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

جرجی زیدان (م ۱۳۳۲ھ) نے دیوان المظالم مجلس استئناف قرار دیتے ہوئے کہا:

"وهو من توابع القضاء ویشبهه ونسمیه الیوم مجلس الاستئناف بعض الشبه والفرق منه استماع ظلامات الناس من القضاة واو غیرهم"[3]

دیوان المظالم منصب قضاء کے ماتحت تھا اور یہ آج کل کی مجلس استئناف (عدالت اپیل) کے بہت مشابہ تھا۔ اس محکمے کی اصل غرض یہ تھی کہ عوام کی وہ فریادیں جو قاضیوں کے فیصلوں کے متعلق ہوتیں ان کو سن کر ان کی دادرسی کرے۔

محمد سلام مذکور نے دیوان المظالم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هی سلطة قضائیة اعلی من سلطة القاضی والمحتسب فهی تنظر من المنازعات مالا ینظره القاضی بل هی

---

[1] شہاب الدین احمد نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، ج ۶، ص ۲۶۴۔

[2] ابن خلدون، مقدمہ (باب سوم فصل ۳۱)، ص ۲۴۲۔

[3] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، دار الہلال، بیروت (ت ن) ج ۱، ص ۲۴۹۔

تنظر ظلامة الناس منه فهى وظيفة ممتزجة من سطوة السلطانيه ونصفه القضاء وهى فى اصل وصفها داخله فى القضأ ويسمى متوليها صاحب المظالم وينظر واليها ظلامات الناس من الولاة والجباة والحكام او من ابناء الخلفاء والامراء والقضاة [1]

یہ ایک عدالتی اختیار ہے جو ایک قاضی اور محتسب کے اختیار سے بالاتر ہے والی مظالم لوگوں کے ظلم اور ناانصافیوں کا جائزہ لیتا ہے اور ایسے تنازعات کا بھی جائزہ لیتا ہے جس کا قاضی جائزہ نہیں لے سکتا۔ دراصل یہ قضاء اور حکومت دونوں کا مرکب ہے اگرچہ یہ اپنی ساخت کے لحاظ سے قضاء میں داخل ہے۔ بہرحال اس کے متولی کو صاحب المظالم کہا جاتا ہے۔ وہ والیوں، ٹیکس وصول کنندگان، حکام، خلفاء، امرا اور قاضیوں کے متعلقین اور ان کی اولاد کی جانب سے ہونے والی ناانصافیوں کا جائزہ لیتا ہے اور ان کا تدارک کرتا ہے۔

محمد ابو زہرہ مصری نے دیوان المظالم کے متعلق لکھا ہے:

ولایۃ مظالم اسی طرح ہے جیسے ولایت قضاء، ولایۃ حرب اور ولایۃ حسبہ۔ یہ ولایت بھی امر عظیم (سربراہ حکومت کا منصب) کا ایک حصہ ہے اور وہ اس معاملہ میں ایسا شخص اپنا نائب مقرر کرے گا جو باصلاحیت اور باہیبت ہو اور مظالم کے متولی کو قاضی نہیں کہا جاتا بلکہ ناظر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا اختیار قضاء کے اختیار کی طرح ہے اور اس کے اکثر اقدامات بھی قضاء جیسے ہوتے ہیں مگر پھر بھی اس کا عمل خالص قضائی (عدالتی) نہیں ہوتا بلکہ اس کا محل قضاء اور تنفیذ سے ملا ہوتا ہے۔ وہ بیشتر واضح امور کو نافذ کراتا ہے اور مصالحت یا رفاہی عمل کے ذریعہ صاحب حق کو اس کا حق دلاتا ہے جو کبھی عدالتی ہوتا ہے اور کبھی انتظامی [2]

---

[1] فاروق نبهان، نظام الحکم فی الاسلام، الکویت، ۱۹۷۴ء، ص ۶۶۷۔

[2] فاروق نبهان، نظام الحکم فی الاسلام، ص ۶۸۷۔

سلیمان محمد طماوی نے اپنی کتاب "السلطات الثلاث" میں دیوان المظالم کے متعلق لکھا ہے:

نشات هذه الولاية تدريجيًا وفيها من خصائص القضاء والتنفيذ معًا فوالى المظالم قد يعرض لختم المنازعات التى يعجز عن نظرها القضاء وقد ينظر فى الاحكام التى لا يمتنع الخصوم بعد التهاء ولكن السبب الاصيل نشاة هذا النظام هو بسط سلطان القانون على كبار الولاة ورجال الدولة عن قد يعجز القضاء وعن اخضائهم لحكم القانون [1]

یہ ادارہ تدریجاً وجود میں آیا اس میں قضاء اور تنفیذ کی ملی جلی خصوصیات موجود ہیں چنانچہ والی مظالم بسا اوقات ان منازعات کا بھی سدباب کرتا ہے جن پر غور سے قضاء عاجز ہوتی ہے اور بعض اوقات ان فیصلوں کو بھی جانچ پڑتال کرتا ہے جن میں انصاف کی تعمیل سے فریق نزاع مطمئن نہ ہوں۔ اس نظام کی تشکیل کا اصل مقصد ایسے بڑے بڑے حکمرانوں اور حکومت کے عہدیداروں کو قانون کی بالادستی کے تحت لے آتا ہے جن کو قانون تابع کرنے سے عاجز ہو۔

دائرہ معارف اسلامیہ میں دیوان المظالم کی یہ تعریف کی گئی ہے:

"دیوان المظالم سے مراد وہ ادارہ ہے جو سرکاری گماشتوں کے خلاف لوگوں کی شکایات پر غور کرنے کے لیے بنایا جائے" [2]

ان تمام تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ادارہ جو ظالم کو مظلوم سے اس کا حق دلائے خواہ وہ ظالم عوام سے ہو یا سرکاری ملازم میں سے ہو اور وہ کسی بھی حیثیت کا مالک ہو دیوان المظالم کہلاتا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ کو "ناظر المظالم" کہا جاتا ہے۔

---

[1] سلیمان الطماوی، السلطات الثلاث، قاہرہ، ۱۹۷۱ء، ص ۷۴۴۔

[2] اے۔ اے دوری "دیوان" دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۹، ص ۵۸۶۔

صدر اسلام میں دیوان المظالم کی ہئیت ترکیبی

عہد جاہلیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی کا امتیاز ودیعت کیا ہے۔ سورۃ والشمس میں ارشاد ہوتا ہے:

"فالھمھا فجورھا وتقوٰھا"[1]

(پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو)

اس لیے شریف النفس انسان ہر دور میں جھوٹ، چوری، ظلم اور دیگر برائیوں سے طبعاً نفرت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے تدارک کی کوشش بھی کرتے رہے۔

اسلام سے قبل عربوں میں جہاں قتل و غارت اور ظلم و ستم عام تھا وہاں بعض نیک سیرت انسان اس صورت حال سے نالاں بھی تھے اور انہوں نے افعال شنیعہ کا سد باب بھی کیا۔

ابوالفرج اصفہانی (م ۳۵۶ھ) نے الاغانی میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قیس بن شیبہ سلمی نے اپنا مال ابن خلف کو فروخت کیا۔ ابن خلف نے اس کا مال دبا لیا اور قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ قیس نے بنی جمع کے ایک شخص سے مدد چاہی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اس پر قیس نے یہ شعر پڑھا:

یاآل قصی کیف ھذا فی الحرم ... وحرمة البیت واعلاق الکرم

اظلم لا یمنع منی من ظلم[2]

ترجمہ: اے آل قصی بیت حرم اور شرافت کے حلیفو! یہ کیا بات ہے کہ مجھ پر ظلم ہوا اور کوئی ظالم کی خبر نہ لے۔

ان اشعار کو سن کر عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان کھڑے ہوئے انہوں نے قیس کا مال واپس دلا کر قبیلہ قریش کے تمام افراد کو ابن جدعان کے گھر جمع کیا اور ان سے یہ حلف لیا کہ آئندہ

---

1. سورۃ والشمس : ۸۔
2. ابوالفرج الاصفہانی، کتاب الاغانی، دارالفکر، بیروت، ۱۹۵۶ء، ج ۱۶، ص ۱۲۶۔

اگر کسی نے مکہ میں ظلم کیا تو مظلوم کی داد رسی کی جائے گی۔ اس معاہدے کے متعلق ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے لکھا ہے:

"الحلف الذی عقدته قریش بینها علی نصرة کل مظلوم بمکة"[1]

یہ وہ معاہدہ ہے جس پر قریش کے تمام قبائل نے بالاتفاق اس بات پر قسم کھائی کہ شہر مکہ کے ہر مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

بعثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل عربوں میں جو لڑائیاں لڑی گئیں ان میں حرب فجار کو تاریخی حیثیت حاصل ہے جو قبیلہ قیس عیلان اور بنی کنانہ کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں حرم کعبہ میں بھی جدال و قتال مباح کر دیا گیا تھا۔ حرب فجار کا یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ اس لیے اس سال کو "عام الفجار" کہا جاتا ہے[2]

اسی سال قبیلہ بنی زبید کے ایک شخص نے یمن سے مکہ آکر عاص بن وائل سے کچھ مال خریدا۔ یہ بیع و شراء جبل ابی قبیس پہ ہوئی جہاں قریش کے لوگ موجود تھے۔ اسی دوران ایک شخص نے بلند آواز سے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے۔

یا آل قصی المظلوم بضاعته ببطن مکة نائی الدار والنفر
واشعث محرم لم تقضی حرمته بین المقام وبین الحجر والحجر
اقائم من بنی سهم بذمتهم ام ذاهب فی ضلال مال معتمر[3]

ترجمہ: اے آل قصی اس مظلوم کی امداد کرو جس کا مال مکہ میں ہے اور وہ گھر اور رشتہ داروں سے بہت دور ہے۔ مقام ابراہیم، حجر اسود اور حرم کے درمیان احرام کھولنے کے بغیر پراگندہ حال کھڑا ہے۔ کیا بنی سہم میں سے کوئی شخص اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگا یا ایک عمرہ کرنے والے کا مال یونہی برباد ہو جائے گا۔

---

[1] ابن ہشام، السیرة النبویة، المکتبة الفاروقیة، ملتان، ۱۹۷۷ء، ج ۱، ص ۹۱۔
[2] ابوالحسن مسعودی، مروج الذہب، دارالاندلس، بیروت، ۱۹۶۵ء، ج ۴، ص ۱۲۴۔
ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۴۰۸ء، ج ۲، ص ۲۹۱۔
[3] ابوالفرج الاصفہانی، کتاب الاغانی، ج ۱۶، ص ۱۲۵۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۱۔

ان اشعار کو سننے کے بعد حاضرین نے قسم اٹھائی کہ وہ اس لڑائی کو جلد ختم کرکے بطریق انصاف ظالم سے مظلوم کا حق دلائیں گے [1] چنانچہ اس جنگ کو ختم کرنے اور مظلوم کو ظالم سے حق دلانے کے متعلق ایک معاہدہ ہوا جسے تاریخ اسلام میں "حلف الفضول" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ الاغانی میں ہے :

"یسمی حلف الفضول تعاقدوا ان یردّوا المظالم قال فیہ الفوا باللہ الغالب لنا خذن المظلوم من الظالم"[2]

یعنی حلف الفضول میں اس بات کا عہد کیا گیا کہ ہم ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دیں گے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس برس کی تھی[3] ۔ اور آپ نے اس معاہدہ میں شرکت بھی کی تھی ۔ ابن سعد (م ۲۳۰ھ) نے آپ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :

یعنی اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا[4]

ان تاریخی شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ عہد جاہلیت میں بھی ظلم کو روکنے اور مظلوم کی دادرسی کا تصوّر موجود تھا اور قریش کے لوگ اس ذمہ داری کو نبھاتے تھے ۔

عہد رسالت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں تبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے رہے، ہجرت کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کی ۔ یہاں تبلیغ کے علاوہ عوام کے باہمی تنازعات کے فیصلے بھی آپ خود کرتے تھے ۔ چونکہ اس دور میں ظلم کا تصوّر ہی نہ تھا[5] اس لیے اس عہد میں باقاعدہ طور پر دیوان

---

[1] مسعودی، مروج الذہب، ج ۴، ص ۱۲۴ ۔

[2] ابوالفرج الاصفہانی، کتاب الاغانی، ج ۱۶، ص ۱۲۵ ۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۱

[3] مسعودی، التنبیتہ الاشراف، دارالصاوی، قاہرہ (ت ن) ص ۱۹۷

[4] ابن سعد، طبقات الکبری، دارصادر، بیروت (ت ن) ج ۱، ص ۱۲۹

[5] اس کی ایک وجہ صحبت رسول کا اثر تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں

(باقی حاشیہ اگلے پر ہے)

المنظام وجود میں نہ آیا البتہ اگر کوئی جھگڑا ہو جاتا تو لوگ اپنے نقیب (قبیلے کا سردار) سے رجوع کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ان کا فیصلہ کرتے۔

آپ نے رفع مظالم کے سلسلہ میں متعدد مواقع پر زبانی بھی تلقین فرمائی اور عملاً بھی ظلم کا سدباب کیا۔ صحیح بخاری میں ہے :

"انصروا خاک ظالما او مظلوما قال یا رسول اللّٰہ ھذا ننصرہ مظلوما فکیف ننصرہ ظالما قال تاخذ فوق یدیہ"[1]

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ حضرت انس رضی نے عرض کیا یا رسول اللہ مظلوم کی مدد کرنا تو درست ہے لیکن ظالم کی کس طرح مدد کریں۔ آپ نے فرمایا اس کے دونوں ہاتھ پکڑلو۔

ایک اور مقام پر مظلوم کی بد دعا سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا :

"اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللّٰہ حجاب"[2]

مظلوم کی پکار سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

بخاری اور مسند احمد کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کو قیامت کے دن کی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی قرار دیا[3]

زبانی تلقین کے علاوہ آپ نے متعدد بار اپنی ذات کو بھی قصاص کے لیے پیش کیا۔ اس سلسلہ میں متعدد روایات مصنف عبدالرزاق کے "باب قود النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نفسہ" میں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے تین روایات کا ذکر کیا جاتا ہے :

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست، ناشران قرآن، لاہور "ت ان" ص ۳۶)

[1] بخاری، الجامع الصحیح، (ابواب المظالم والقصاص) ج ۱، ص ۳۳۰،

[2] بخاری، الجامع الصحیح، (باب الاتقاء من دعوۃ المظلوم) ج ۱، ص ۳۳۱،

[3] ایضاً، (باب الظلم ظلمات القیمہ)، ج ۱، ص ۳۳۱

احمد بن حنبل، المسند، ج ۴، ص ۳۴۹

(۱) ۔ حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار نماز کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلے تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ میری حاجت پوری کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت مجھے چھوڑ دو تمہاری حاجت پوری کر دی جائے گی۔ اس نے یہ بات تین بار کہی اور آپ نے تینوں بار یہی جواب دیا۔ اس کے اصرار پر آپ نے اسے اپنا کوڑا مارا۔ نماز کے بعد آپ نے اس شخص سے فرمایا:

"ادن فاقتص! فرمی الیہ بالسوط قال بل اعفو"

میرے قریب آکر اپنا بدلہ لے لو اور آپ نے اپنا کوڑا اس کی طرف پھینک دیا لیکن اس نے کہا کہ میں معاف کرتا ہوں۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لا یظلم مومن مومنا فلا یعطیہ مظلمۃ فی الدنیا الا انتقم اللہ لہ منہ یوم القیمۃ"

یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کوئی مومن ایسا نہیں جو دوسرے مومن پر کوئی زیادتی کرے اور پھر دنیا میں ہی اپنے کردہ ظلم کی تلافی نہ کرے مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لے گا۔

آپ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابو ذر غفاری رضؓ نے کہا یا رسول اللہ ایک بار آپ اونٹنی پر نیم خوابیدہ حالت میں سوار تھے تو میں نے آپ کے سر کو چھڑی سے چھو کر کہا کہ آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جائیں اس لیے آپ بھی مجھ سے بدلہ لیں آپ نے فرمایا۔ نہیں میں معاف کرتا ہوں حضرت ابو ذر غفاری رضؓ نے بدلہ دینے پر اصرار کیا پھر آپ نے ابو ذر کو کوڑا مار لیا[۱]

(۲) ۔ دوسری روایت حضرت حسن رضؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کی ملاقات ہوئی جس نے پیلا خضاب لگایا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا یہ خضاب ہٹا دو اور آپ نے ایک کھجور کی شاخ اس کے پیٹ میں چبھو دی جس سے اس کے جسم پر

---

[۱] عبد الرزاق، المصنف، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۰ء، ج ۹، ص ۶۵م۔ ۶۶۔

نشان لگا لیکن خون نہ نکلا تو اس نے کہا یا رسول اللہ بدلہ دیجیے۔ آپ نے فوراً اپنا پیٹ اس کے سامنے پیش کیا اور فرمایا۔ بدلہ لے لو لیکن اس شخص نے بدلہ لینے کی بجائے اس مقام کا بوسہ لے لیا[1]

(۳) تیسری روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں ایک روز لوگوں کے سامنے فرمایا:

"فمن شتمت له عرضا فهذا عرضى فليستقد منه ومن ضربت له ظهرًا فهذا ظهرى فليستقد منه، ومن اخذت له مالاً فهذا مالى فلياخذ منه"[2]

یعنی اگر میں نے کسی کی عزت و ناموس پر کوئی حرف زنی کی ہو تو وہ میری عزت و ناموس سے بدلہ لے لے۔ اگر میں نے کسی کی کمر پر کوئی ضرب لگائی ہو تو وہ میری کمر پر ضرب لگا کر اپنا بدلہ لے لے اور جس کسی سے میں نے کوئی مال لیا ہو تو میرے مال سے لے لے۔

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے مظالم کا سدباب کس طرح کیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ میں آپ نے مدینہ کے ہر قبیلہ سے ایک نقیب مقرر کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ نقیب اپنے اپنے قبیلے کی نمائندگی کرنے کے علاوہ تنظیم و نسق قائم رکھتے اور بعض تنازعات کا ابتدائی فیصلہ بھی کرتے[3]

ہجرت کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد جس دستور پر رکھی وہ باون دفعات پر مشتمل تھا۔ اس تاریخی دستور میں بھی بعض دفعات

---

[1] عبد الرزاق، المصنف، المکتب اسلامی، بیروت، ۱۹۷۰ء، ج ۹، ص ۴۶۹-۴۷۰

[2] ایضاً، ص ۴۶۹۔

[3] ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۹ھ، ج ۲، ص ۹۷۔

کا تعلق رفع مظالم سے تھا ان میں سے تین دفعات یہ ہیں :

۱۔ ولا یحالف مومن مولی مومن دونه وان المومنین المتقین علی من بغی منهم او ابتغی دسیسة ظلم او اثم او عدوان او فساد بین المومنین وان ایدیهم علیه جمیعاً ولو کان ولد احدهم۔

۲۔ کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف والقسط بین المؤمنین۔

۳۔ وانه من تبعنا یهود فان له النصر والاسوء غیر المظلومین ولا متناصرین علیهم[1]

ان دفعات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مؤمنین اس کے خلاف ہوں گے جو ان پر ظلم و زیادتی کرے گا۔ خواہ وہ ان میں سے کسی کا لڑکا بھی کیوں نہ ہو اور جو یہود ہمارے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے گی۔ ان پر ظلم کیا جائے گا نہ ان کے خلاف تعاون کیا جائے گا۔ ہر قبیلہ اجتماعی طور پر اپنے تمام افراد کے ناجائز افعال کی سزا کا ذمہ وار ہو گا۔

یہود کے ساتھ معاہدے میں یہ عہد بھی کیا گیا "وان النصر للمظلوم"[2] (مظلوم کی مدد کی جائے گی۔) اس دستور کے بعد مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقدمات کا فیصلہ خود کرتے تھے۔

سنن ابی داؤد کی روایت ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی دو بیٹیوں کو لے کر آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ دونوں ثابت بن قیس کی بیٹیاں ہیں جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ ان کے چچا نے ان کی تمام جائداد غصب کر لی اور انہیں کچھ نہیں دیا۔ جائداد کے بغیر ان کی شادی بھی نہیں ہو سکتی۔ آپ

---

[1] السہیلی، الروض الانف، المکتبہ، الفاروقیہ، ملتان، ۱۹۷۷ء، ج ۲، ص ۹۷۔

[2] ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۷۔

انصاف فرمائیں۔

آپ نے فرمایا ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرے گا اس کے بعد سورۃ النساء نازل ہوئی پھر آپ نے اس عورت اور لڑکیوں کے چچا کو بلا کر فرمایا:

"اعطهما الثلثين واعط امهما الثمن وما بقي فلك"[1]

یعنی دو تہائی جائداد دونوں لڑکیوں کو دو، آٹھواں حصہ ان کی والدہ کو اور اس تقسیم کے بعد جو کچھ بچے وہ خود لے لو[2]

اسی طرح حضرت زبیر بن عوامؓ اور ایک انصاری کے درمیان زمین کی سیرابی پر جھگڑا ہو گیا دونوں آپ کے پاس فیصلہ لینے کے لیے آئے تو آپ نے یہ فیصلہ دیا:

اسق انت يا زبير ثم ارسل الماء الى جارك فقال الانصاري يا رسول الله ان كان عمتك فتلون وجهه ثم قال اسق يا زبير ثم احبس الماء حتى يرجع الى الجدر ثم ارسل الماء الى جارك[3]

اے زبیر پہلے تم اپنی زمین سیراب کر و پھر انصاری اپنی زمین سیراب کرے یہ سن کر انصاری نے کہا یا رسول اللہ بے شک وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اور آپ کو یہ بات ناگوار گذری اور فرمایا اے زبیر تم اپنی زمین میں پانی آنے دینا یہاں تک کہ پانی ٹخنوں تک چڑھ جائے اور پھر اس کے لیے پانی چھوڑ دینا۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ اور اس کے مضافات کے تمام مقدمات کا فیصلہ آپ خود فرماتے تھے اور اس کیلئے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح میں ایک خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے!

---

[1] ابو داؤد سلیمان، سنن ابی داؤد (کتاب الفرائض) ولی محمد اینڈ سنز، کراچی (ت۔ن)، ج ۲، ص ۴۰۰،

[2] بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب التفسیر، سورۃ النساء)، ج ۲، ص ۶۶۰۔

باب ذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لہ بواب[۱]"
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر دربان نہ تھا۔
اسی بناء پر گھر میں بھی آپ اطمینان وسکون کے ساتھ نہ بیٹھ سکتے تھے کیونکہ عورتوں کے معاملات عموماً گھر میں ہی پیش ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب سلطنت اسلامیہ کی توسیع ہوئی اور انتظامی امور بڑھ گئے تو مدینہ منورہ میں چند مفتی مقرر کیے گئے جو افتار کے علاوہ فیصلے بھی کرتے تھے البتہ ان کے فیصلوں کی اپیل آپ کے پاس ہی ہوتی تھی۔ التراتیب الاداریہ میں ہے۔
"کان یفتی فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر، عمر عثمان، علی، عبد الرحمٰن بن عوف[۲]"
حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔
اسلامی حکومت وسیع ہونے پر آپ نے جودہ عاملین متعین کیے[۳] یہ عاملین اپنے اپنے علاقے کے تنازعات کے فیصلے کرتے اور ان کے فیصلوں کا مرافعہ بھی آپ ہی کی عدالت میں ہوتا۔
مسند احمد کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ (والی عمان) کے پاس ایک مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے ان کے درمیان فیصلہ کیا۔ جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپیل کرنے کے لیے آیا تو آپ نے فرمایا جب قاضی اجتہاد سے درست فیصلہ کرتا ہے تو اسے دس اجر ملتے ہیں اور اگر اس سے غلط فیصلہ ہوتا ہے تو اس کو ایک یا دو اجر ملتے ہیں[۴]

---

[۱] بخاری، الجامع الصحیح (کتاب الاحکام) ج ۲، ص ۱۰۵۹۔
[۲] عبد الحی الکتانی، التراتیب الاداریہ، دار الفکر، بیروت (د ت ن)، ج ۱، ص ۵۶۔
[۳] شبلی نعمانی، سیرت النبی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۴ء، ج ۲، ۴۵۔
[۴] احمد بن حنبل، المسند، ج ۲، ص ۱۸۷۔

حضرت علیؓ عہد رسالت میں یمن کے عامل تھے۔ آپؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس کی تفصیل یہ تھی کہ ایک آدمی نے شیر کا شکار کرنے کے لیے ایک کنواں کھودا۔ شیر کو دیکھنے کے لیے چار آدمی کنویں پر بیٹھ گئے۔ اتفاق ہے ایک کنویں میں گرنے لگا تو اس نے دوسرے کو پکڑ لیا پھر دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا اور چاروں اس کنویں میں گر گئے۔ شیر نے ان چاروں کو زخمی کر دیا اور وہ مر گئے۔ اب پہلے شخص کے ورثاء دوسرے ورثاء سے دیت پر جھگڑنے لگے۔ پھر وہ مقدمہ آپ کے پاس لائے اور آپ نے یہ فیصلہ دیا:

"للاول الذی هو فی البئر ربع الدیة وللثانی ثلث الدیة والثالث نصف الدیة والرابع الدیة الکامله"

یعنی پہلے شخص کے لیے چوتھائی دیت (کیونکہ دوسرے شخص نے اس کے اوپر گر کر اسے ہلاک کیا) دوسرے کے لیے تہائی دیت، تیسرے کے لیے نصف دیت اور چوتھے کے لیے مکمل دیت۔

پھر ان لوگوں نے اس فیصلے کے خلاف اپیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں کی۔ آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے کو برقرار رکھا[لہ]

مفتیانِ مدینہ کے فیصلوں کے خلاف اپیل بھی آپ ہی کی عدالت میں ہوتی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار دو آدمی جھگڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہؐ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ دوسرا جو اس سے زیادہ سمجھدار تھا اس نے بھی یہی کہا لیکن اس نے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا کہو تو اس نے کہا:

میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا۔ میں نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کی طرف سے صدقہ کیا پھر اہل علم سے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو درے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا۔ اور اس کی عورت سنگسار کی

لہ ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ، مصنف، ادارہ القرآن، کراچی، ۱۹۸۶ء، ج ۱۰، ص ۱۷۵-۱۷۶۔
محمد بن خلف وکیع، اخبار القضاۃ، عالم الکتب، بیروت (ت ن) ج ۱، ص ۹۶-۹۷۔

جائے گی۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"والذی نفسی بیدہ لا قضین بینکما بکتاب اللہ، المائۃ الشاۃ والخادم ردّ علیک، وعلی ابنک جلد مائۃ وتغریب عام، واغد یا انیس علی امراۃ ھذا فان اعترفت فارجمھا، فغدا علیھا فاعترفت فرجمھا۔"

اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں کتاب اللہ کے مطابق تمہارا فیصلہ کروں گا۔ اے شخص سو بکریاں اور تیری لونڈی تجھ کو واپس ملے گی تیرے بیٹے کو سو درے لگیں گے اور سال بھر کے لیے شہر بدر رہو گا۔ پھر آپ نے انیس بن ضحاک سے فرمایا کہ اے انیس تم صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ انیس اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا جس پر عورت نے زنا کا اقرار کیا۔ پھر انیس نے اس کو سنگسار کر دیا[۱]

خلاصہ یہ کہ صدر اسلام میں اگرچہ دیوان المظالم باقاعدہ منظم صورت میں نہ تھا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے ذریعہ عوام کو مظالم کی مذمت سے آگاہ کیا اس کے ساتھ ساتھ آپ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ خود کرتے جب کہ صوبوں کے عاملین وہاں کے مقامی تنازعات نمٹاتے۔ البتہ ان کے فیصلوں کی اپیل آپ کی عدالت میں ہوتی تھی۔ سپیشل عدالتوں کا اس دور میں کوئی وجود نہ تھا[۲] آپ کی عدالت کے لیے نہ کوئی عمارت مخصوص تھی اور نہ ہی وقت بلکہ آپ ہر وقت لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرتے تھے۔

---

[۱] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا) ج ۲، ص ۱۰۰۸۔
مسلم، الجامع الصحیح، (کتاب الحدود، باب حد الزنا) ج ۲، ص ۶۹۔

[۲] افضل الرحمٰن: کرمینل لا، انسائیکلوپیڈیا آف سیرہ مطبوعہ لندن ۱۹۸۱ء ج ۲ ص ۸۳۔